شاہ ولی اللہؒ — تاریخی پس منظر

خاندانی حالات

شاہ ولی اللہ اپنے بزرگوں کے ذکر میں لکھتے ہیں :- "یہ یقینی بات ہے کہ ہمارے اجداد عظام میں سب سے پیشتر حضرت شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان تشریف لائے۔ اور انہوں نے قصبہ رہتک میں سکونت اختیار کی"۔ رہتک دہلی سے کوئی تیس میل دور ہے۔ اور اس زمانے میں یہ بڑا آباد شہر تھا۔ شیخ شمس الدین ایک بزرگ شیر ملک کے بیٹے ابن محمد عطا ملک کے پوتے تھے۔ جن کے زیادہ حالات نہیں ملتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ موصوف نے رہتک میں اپنا ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ان کے پرپوتے شیخ عبدالملک کے عہد میں قضاء احتساب اور افتاء کے عہدے اس خاندان میں موروثی کر دیئے گئے۔ چنانچہ شیخ عبدالملک کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی بدھا اس منصب پر فائز ہوئے۔ انہیں قاضی بدھا کی اولاد میں سے شیخ محمود تھے جنہوں نے منصبِ قضا ترک کر کے "اعمال سلطانیہ" اختیار کر لئے۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ "موجودہ حالات میں زندگی بسر کرنے سے سپاہیانہ زندگی اچھی اور انسب و اولیٰ ہے"۔ شیخ محمود کے صاحبزادے شیخ احمد تھے۔ جن کی تربیت شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم نے کی، جو رہتک میں نہیں بلکہ سونی پت میں رہتے تھے۔ شیخ احمد کے بیٹے شیخ منصور کی شادی بھی اپنے ننہیال میں ہوئی اور اسی طرح ان دونوں خاندانوں کا سلسلہ اکٹھا ہو گیا۔

یہ شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم جلال الدین اکبر کے دور میں تھے، اور بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ آپ نے راجپوتانہ کے قلعہ چتوڑ کی فتح کی پیش گوئی کی تھی چنانچہ تھوڑے ہی روز گزرے تھے کہ چتوڑ کی فتح اسی اسلوب و طریقہ پر بادشاہ کی

۱۔ اس حصۂ مضمون کی ترتیب میں زیادہ تر حیات ولی از مولانا محمد رحیم بخش دہلوی سے مدد لی گئی ہے۔ مدیر

خدمت میں معروض ہوئی، جیساکہ جناب شیخ عبدالغنی صاحب نے بیان فرمایا تھا، اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور اپنی فیاضانہ ہمت سے بارہ وسیع گاؤں جناب امام ناصرالدین شہید کے مزار کی نذر کردیئے اور شیخ عبدالغنی کے نام ایک شاہی فرمان جاری ہوا۔ کہ ان قصبات کی سالانہ آمدنی آپ کی تفویض میں ہمیشہ رہے گی"

انہیں شیخ عبدالغنی صاحب کے متعلق "حیات ولی" میں ایک اور واقعہ منقول ہے :-

" خواجہ محمد ہاشم کشمی شیخ مجدد یعنی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی قدس سرہ سے ناقل ہے کہ شیخ مجدد فرماتے ہیں۔ ہمارے والد بزرگوار ایک مدت تک جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی ملاقات کے جویاں رہے جو شہر سونی پت کے ایک کامل درویش اور مشہور و معروف بزرگ تھے۔ ہمارے والد بزرگوار کو آپ سے نیاز حاصل کرنے اور خدمت میں حاضر ہونے کا اس لحاظ سے اور بھی بے تابانہ شوق تھا کہ انہیں کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ شیخ عبدالغنی صاحب اپنے بزرگ و محترم پیر کا ایک خاص راز مضمر رکھتے ہیں"

شیخ منصور حسین کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ان کے ہاں شیخ عبدالغنی صاحب کی پوتی سے دو صاحبزادے ہوئے ایک شیخ معظم اور دوسرے شیخ اعظم شیخ معظم کے بیٹے شیخ وجیہ الدین تھے، جو شیخ عبدالرحیم کے والد بزرگوار ہیں، جن کے ہاں ۱۱۱۴ھ میں حضرت شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے تھے۔ شیخ معظم کے حالات میں صاحب "حیات ولی" لکھتے ہیں :-

" جب شیخ معظم علمی تحصیل سے فارغ ہوئے تو آپ کی طبیعت بے اختیارانہ جوش کے ساتھ سپاہیانہ فنون کی تحصیل اور تکمیل کے ساتھ تکمیل کی طرف بڑھی۔ گو آپ کی طرز معاشرت بالکل درویشانہ اور عالمانہ تھی لیکن آپ کی پرشوق اور تیز نظریں اس لاجواب اور عدیم المثال شجاعت کی طرف بڑی شتابی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں، جو زمانہ سابق میں اسلام اور بانیان اسلام کے حق میں فطرت کی عام بخششیں سمجھی گئی تھیں۔ ۔ ۔ "

" شیخ معظم کے والد بزرگوار شیخ منصور بھی بہت بڑے شجاع اور دلیر تھے۔"

شیخ عبدالرحیم (والد شاہ ولی اللہ) نے اپنے دادا شیخ معظم اور پردادا شیخ منصور کی بہادری کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے والد شیخ وجیہ الدین کا ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ میرے واجب الاحترام والد نہایت محتاط اور متورع آدمی ہیں۔ چونکہ آپ کا قالب بالکل سپاہیانہ تھا اور آپ فطرتاً بجائی و چیت تھے، اس لئے شمشیر زنی اور اپنی بے خوف شجاعت کے جوہر ظاہر کرنے کا آپ کو زیادہ شوق تھا

یہی وجہ تھی کہ آپ ابتدائی زمانے سے سلطنت مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ اور اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں کوئی بڑا اور معزز فوجی عہدہ رکھتے تھے۔۔۔ اس وقت شاہجہاں بادشاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ شیخ عبدالرحیم نے بعض ان معرکوں کا ذکر کیا ہے جن میں شیخ وجیہہ الدین نے اپنی شجاعت و جرأت کے جوہر دکھائے تھے۔

عالمگیر کی تخت نشینی پر جب اس میں اور اس کے بھائی شاہ شجاع میں موضع کھجوہ پر خونریز جنگ ہوئی تھی، تو اس میں شیخ وجیہہ الدین اورنگ زیب عالمگیر کی طرف تھے ان کی بہادری کی بدولت جنگ کا ایک اہم مورچہ سر ہوا تھا، جس کی تفصیل "حیات ولی" میں یوں ہے۔

لڑائی کے دوسرے دن شاہ شجاع نے دو تین کوہ پیکر مست ہاتھی عالمگیر کے لشکر کی طرف دھکیل دیئے۔ جن کے پیچھے زرہ پوش سپاہی تھے۔ شاہ شجاع کا یہ حملہ بڑا کامیاب رہا اور عالمگیر کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ شیخ وجیہہ الدین نے اپنے مورچے پر کھڑے جو یہ صورت حال دیکھی۔ تو اپنے ساتھیوں کو لے کر ہاتھیوں کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اس ہاتھی پر حملہ کیا، جو سب سے سرکش تھا، ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر آپ کو اپنی گرفت میں لینا چاہا آپ نے تلوار کا ایک وار کیا، جس سے اس کی سونڈ کٹ گئی اور وہ چنگھاڑتا ہوا پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس کا بھاگنا تھا کہ زرہ پوشوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور شاہ شجاع کے لشکر کو شکست ہو گئی۔

عالمگیر نے اس فتح کی خوشی میں ایک شاندار جلسہ کیا اور چونکہ وہ عین معرکہ میں جناب شیخ وجیہہ الدین صاحب کی بہادرانہ کوشش اور وفادارانہ جوش کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا اس لئے اس نے آپ کو بہت انعامات دیئے اور خود اپنے ہاتھ سے آپ کی کمر میں تلوار باندھی۔

شاید سیواجی کا زمانہ تھا شیخ وجیہہ الدین دکن جا رہے تھے کہ راستے میں راہزنوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جس میں آپ شہید ہو گئے۔

شیخ وجیہہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جو ایک مشہور خانوادہ طریقت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد شیخ قطب العالم اور دادا شیخ عبدالعزیز دہلوی البحر المواج عرف شکر بار تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" میں لکھتے ہیں :- چشتی طریقے میں حضرت

شیخ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۹۷۵ھ ایک بہت بڑے عالم، عارف اور متشرع بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں ایک رسالہ "عینیہ" ہے جو موصوف نے شیخ امان پانی پتی کے رسالہ "غیریہ" کے جواب میں لکھا تھا۔ اور اس میں آپ نے وحدت الوجود کے بعض عمیق مسائل کو اپنے کشفی رنگ میں پیش فرمایا ہے۔ حضرت شیخ عبدالعزیز البحر المواج کے والد شیخ حسن[1] بن طاہر متوفی ۹۰۹ھ سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آبسے تھے۔ آپ کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم خواجہ باقی باللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ آپ شیخ وجیہ الدین کے خسر اور شیخ عبدالرحیم کے نانا تھے ... مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت سلسلہ بہ سلسلہ چلتی رہی، اسی طرح علم و عرفان شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک اور شاہ ولی اللہ سے ان کی اولاد تک جاری رہا۔

شیخ عبدالرحیم جنہیں ہم آئندہ شاہ عبدالرحیم لکھیں گے، شیخ وجیہ الدین کے صاحبزادے اور شیخ رفیع الدین بن قطب العالم کے نواسے تھے۔ ان کی شادی ایک صاحب کرامات بزرگ حضرت شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی سے ہوئی شیخ محمد کا بڑا پرانا نامور خاندان تھا۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک شیخ احمد تھے جو سلطان سکندر کے دربار میں پہنچے اور چند ہی روز میں اپنی بے نظیر قابلیت سے شاہی دربار میں وہ اعزاز و اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطنت کی طرف سے چند قریے آپ کو مدد معاش کے لئے نسلاً بعد نسل عنایت ہوگئے۔ اور یہ خاندان دہلی کے نواح پھلت میں آباد ہوگیا۔

شاہ عبدالرحیم سے بڑے ان کے بھائی شاہ ابوالرضا محمد تھے۔ ایک بھائی اور بھی تھے لیکن ان کے حالات نہیں ملتے۔ شاہ عبدالرحیم تقریباً ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ برس کی عمر پاکر ۱۱۳۱ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ جب آپ پیدا ہوئے، تو آپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہ الدین سلطنت کے ایک معزز عہدے پر فائز تھے۔

---

[1] ... طاہر ملتان میں پیدا ہوئے۔ ملتان میں آپ کا خاندان بڑا واجب الاحترام تھا۔ تحصیل علم کے لئے آپ تھانیسر آئے اور وہاں سے بہار کا رخ کیا۔ بہار کے ... نے اپنی لڑکی آپ کے عقد میں دی۔ آخر میں آپ مع خاندان جونپور آگئے۔ آپ صاحبزادے شیخ ... جو بہت بلند پایہ عالم تھے۔ دہلی لائے۔ سلطان سکندر آپ کا بڑا معتقد تھا۔ علم سلوک میں آپ کی کتاب "مفتاح الفیض" بڑی مشہور ہے۔ (ملخص از حیات ولی)

اور ظاہر ہے دولت و ثروت کی فراوانی تھی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ماموں شیخ عبدالحی ایک نہایت صالح اور خداترس بزرگ تھے اور اہل دنیا سے طبعی نفرت رکھتے تھے بدقسمتی سے اپنی اولاد ان کی توقعات کے مطابق نہ نکلی ایک دفعہ انہوں نے مجھے بچپن میں پورے سُنن و آداب کے ساتھ وضو کرتے دیکھا۔ تو بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ "میں ہمیشہ ڈرتا تھا کہ ہمارے اسلاف کا سِتر ہماری اولاد سے منقطع ہو جائے گا، لیکن اب مجھے قطعی طور سے معلوم ہو گیا کہ اس سِتر کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے گو اپنی نسل میں نہ سہی بہن کی نسل میں موجود ہے"

صاحب "حیاتِ ولی" لکھتے ہیں :- جب آپ کا نواں یا دسواں سال شروع تھا تو شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتے تھے۔ اور معقول کی اکثر کتابیں نکال چکے تھے جس زمانے میں اورنگ زیب اکبرآباد (آگرہ) میں جلوس فرماتھا۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ اور اس تقریب سے آپ اکبرآباد میں مرزا محمد زاہد ہروی سے تعلیم پاتے رہے۔ ابتدائی رسائل سے شرح عقائد و حاشیہ خیالی تک تو آپ نے اپنے برادر کلاں شیخ ابوالرضا محمد سے نکالے اور شرح مواقف اور تمام کتب کلامیہ و اصولیہ مرزا زاہد ہروی سے پڑھیں۔

شاہ ولی اللہ اپنے والد کے ذکر میں فرماتے ہیں "اس نیلگوں آسمان کے نیچے جناب شیخ عبدالرحیم سے زیادہ فن حدیث میں طاق اس عہد میں کوئی نہ تھا... میں نے ان جیسا ایک شخص بھی نہیں دیکھا، جو تمام علوم میں عموماً اور حدیث اور فقہ میں خصوصاً تبحر رکھتا ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد آپ جیسے محدث و مفسر، فقیہ کو ہندوستان کی گود میں پرورش پانا بہت کم نصیب ہوا ہوگا۔"

شاہ عبدالرحیم نے مرزا محمد زاہد ہروی اور خواجہ خرد بن خواجہ باقی اللہ کے علاوہ کئی اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔ جن میں خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی خاص طور سے ممتاز ہیں۔ ان کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تصوفی تحقیقات میں ہے لیکن حقیقت میں وہ تمام علوم میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ اور ہندوستان میں مجتہدینِ فن تسلیم کئے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کے ایک اور استاد عبداللہ تھے، جو اس قدر خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ عالم کے ساتھ بڑے عارف بھی تھے۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ ابوالقاسم صاحب نے مجھے تکمیل و ارشاد کی اجازت سے سرفراز فرمایا، تو ایک دعوت کا انتظام کیا۔ اور اس میں اپنے مریدوں اور جاننے والوں کو مدعو کیا

آپ نے فقیر کو طلب فرمایا۔ میرے سر پر دستار باندھی ایک اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ اور مجھے طالبان حق کی رہنمائی اور دینی علوم کی اشاعت و درس کی اجازت دی اور یہ بھی فرمایا کہ اب اگر تم مناسب سمجھو تو دہلی میں جا کر رہو اور وہاں کے باشندوں میں دینیات کی اشاعت کرو۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے چند دن اور اکبرآباد (آگرہ) میں اپنے اُستاد کے قدموں میں رہنا پسند کیا۔ اور ان کی ہدایت کے مطابق بعض بزرگوں سے ملتے رہے۔ ؎

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، شاہ عبدالرحیم کے بزرگوں کا منصب و شغل ابتدا میں تعلیم و تدریس اور قضا و افتار کا تھا۔ البتہ بعد میں انہوں نے فوجی زندگی اختیار کر لی تھی۔ شاہ عبدالرحیم نے پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ صاحب "حیات ولیؒ" لکھتے ہیں "شاہ عبدالرحیم نے مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی" مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے والد کے زمانے

؎ خلیفہ ابوالقاسم کے ارشاد پر شاہ عبدالرحیم نے شاہ عظمت اللہ نامی بزرگ کے ہاں حاضری دی، جو سلسلہ چشتیہ کے ایک معمر بزرگ تھے، اور آگرہ میں رہتے تھے۔ وہ بیمار تھے، اور پلنگ پر لیٹے لیٹے شاہ صاحب سے باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں جیسے ہی شاہ صاحب نے اپنا خاندانی تعلق شیخ عبدالعزیز شکر بار سے ظاہر کیا آپ فوراً پلنگ سے نیچے اترے اور شاہ صاحب کو گلے سے لگا لیا اور ایک سوال پوچھا۔ اس کے بعد کہا کہ میرے دادا کو شیخ عبدالعزیز شکر بار نے کچھ تبرکات دیئے تھے، اور فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی آئے تو اسے یہ تبرکات دے دینا۔ چنانچہ آپ نے شاہ صاحب کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنے طریقے کی اجازت دی۔ جب چلنے لگے تو مٹھائی اور نقد روپے بھی ساتھ کر دیئے۔ شاہ صاحب نے واپس آ کر اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کی خدمت میں سب ماجرا بیان کیا انہوں نے شاہ عبدالرحیم کو یہ بشارت دی — روپیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور فارغ البالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ باطنی اطمینان اور اجازت کا اشارہ ہے۔" شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اس بشارت کے بعد معاشی پراگندگی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے کبھی پیدا نہیں ہوا۔ "انفاس العارفین" اور بعض دوسری کتابوں میں شاہ عبدالرحیم کی جس صاف ستھری زندگی کا پتہ ملتا ہے اس کے پڑھنے سے دل کو راحت ہوتی ہے — ملخص از تذکرہ شاہ ولی اللہ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی

یں فقہا اور مفسرین نے عوام مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی سے قرآنی تعلیمات کو بحیثیت مجموعی خارج کر دیا تھا۔
سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم نے ادھر توجہ کی اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے ایک بہت اچھا طریقہ اختیار کیا اس سے پہلے علمار کا یہ دستور تھا کہ پہلے تو وہ قرآن مجید کو محض تلاوت کی خاطر پڑھا دیتے۔ پھر اگر انہیں طالب علموں کو قرآن مجید کے مطالب و معانی کی تعلیم دینا مقصود ہوتی، تو جس فن سے خود انہیں دلچسپی ہوتی، اس فن کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر کی جو کتاب وہ مناسب سمجھتے طالب علموں کو پڑھاتے .... اس کے خلاف شاہ عبدالرحیم نے یہ کیا کہ قرآن کے متن پر زیادہ زور دیا، لیکن بجائے اس کے کہ متن قرآن محض تلاوت کی غرض سے پڑھا جاتا، یا کسی خاص فن کی تفسیر کے ذریعہ قرآن کے مطالب کو حل کرنے کی کوشش ہوتی۔ آپ یہ کرتے کہ قرآن کے متن کو شروع سے لے کر آخر تک بڑی تحقیق اور بصیرت کے ساتھ پڑھاتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے جملہ مطالب اور معانی تک براہ راست طلبہ کی رسائی ہو جائے۔ اور وہ جان لیں کہ قرآن کا مجموعی طور پر کیا پیغام ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ اپنے والد بزرگوار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "آپ کی عادت یہ تھی کہ اپنے اصحاب کے حلقہ میں ہر روز قرآن مجید کے دو یا تین رکوع پڑھتے اور اس پر بغایت تدبر کرتے اور ان کے معانی پر غور و خوض فرماتے" ایک اور جگہ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے "خدا تعالیٰ نے مجھ ضعیف پر جو بڑے بڑے الطاف کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے چند بار والد بزرگوار سے تدبر معانی، شان نزول کے بیان اور تفاسیر میں مطالب کی تحقیق کے ساتھ قرآن عظیم کو پڑھنے کا موقع ملا۔ اس کی وجہ سے مجھ پر علم و عرفان کا ایک بڑا دروازہ کھل گیا"، شاہ عبدالرحیم اپنے درس و تدریس میں "حکمت عملی" پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں:۔
اُس وقت حالت یہ تھی کہ عام متکلمین نے ارسطو کی نظری حکمت کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا۔ اور ان کا سارا زور قیاس آرائیوں اور استدلالی بحثوں پر صرف ہوتا تھا۔ وہ عملی زندگی کی ضرورتوں سے بے خبر تھے اور "حکمت عملی" سے سروکار نہ رکھتے تھے لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم کلام میں دلچسپی لینے والے فقہا اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تدبر اور تفکر سے محروم ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد بزرگوار کے مذکورہ بالا رجحانِ فکری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ "حضرت شجاعت، فراست، کفایت، غیرت وغیرہ اخلاق سلیمہ میں

درجۂ کمال پر تھے۔ نیز دینی اور مابعد الطبیعاتی علوم میں درک کامل رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ "عقل معاشی" سے بھی جو کے ذریعہ انسانی زندگی کی معاشی اور اجتماعی ضرورتوں کو سمجھتا ہے پورے طور پر بہرہ ور تھے۔ آپ اپنی مجلس میں اکثر "حکمت عملی" اور کاروبار زندگی کے معاملات کے آداب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔"

درس وتدریس کے ان مشاغل میں انہماک کی وجہ سے شاہ عبدالرحیم ملک و ملت کے عام امور سے بالکل بے تعلق نہیں ہو گئے تھے۔ کتاب "سیر سید احمد شہید" کے مقدمہ میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے شاہ عبدالرحیم کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانے میں میری نظر سے گزرا ہے۔ اس میں ان کا خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے، جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اور یوں بھی مولانا مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں "شاہ صاحب کا خاندانی تعلق جس قبیلہ اور نسل سے تھا علم وتصوف کے ساتھ اس خاندان کے لوگ فوجی کاروبار میں یگانہ روزگار تھے ـــ بلکہ شاہ عبدالرحیم سے پہلے تو شاہ صاحب کے خاندان میں علم وتصوف کی محض ثانوی حیثیت تھی اصلی کام اس خاندان کا جہاد ہی تھا۔ آپ (شاہ ولی اللہ) کے براہ راست جد امجد یعنی شیخ وجیہ الدین کے واقعات تو خود شاہ (شاہ ولی اللہ) نے اپنی مختلف کتابوں میں درج کئے ہیں، جن کو سنکر حیرت ہوتی ہے" اس سے آگے مولانا گیلانی مرحوم فرماتے ہیں:- "اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوسری ہی پشت میں حضرت شاہ صاحب کے گزرنے سے جو وہ مرد غازی مولانا اسمٰعیل شہید اٹھے، اور ایک مدت تک بجائے قلم کے تلوار کو کمر سے لگائے رہے۔ تا آینکہ اس راہ میں بالآخر جان عزیز بھی نذر کی، یہ شاہ صاحب کی کسی اندرونی تربیت کا نتیجہ نہ تھا جس کا رواج ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔"

عام زندگی میں شاہ عبدالرحیم کا کیا مسلک تھا، مندرجہ ذیل سطور میں اس کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:- ایک بار والد بزرگوار نماز ظہر کے قریب دفعتہً میری طرف متوجہ ہوئے اور برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر　　　خاطر کس را مرنجاں الحذر

در طریقت رکن اعظم ہمت است　　　ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

یہ رباعی پڑھ کر فرمایا۔ ولی اللہ! یہ رباعی لکھ لو۔ حق تعالیٰ نے دفعۃً میرے دل میں اس مضمون کو بایں غرض القا فرمایا ہے کہ تمہیں وصیت کروں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب جب احباب کو رخصت کیا کرتے، تو الوداع کہتے ہوئے یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

نیز فرماتے تھے کہ جو لوگ تم سے قدر و منزلت میں کم درجے پر ہوں، اگر وہ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اسے خدا تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھو اور ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرو۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ میتواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر میکنند

ایک دفعہ شاہ عبدالرحیم کے ایک معتقد نے سوال کیا کہ ابنائے روزگار کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ فرمایا کُن فی الناس کاحد من الناس (لوگوں میں اس طرح رہو، جیسے تم ان میں سے ایک ہو) پھر اس نے دریافت کیا کہ حضرتِ حق تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے، فرمایا۔ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکراللہ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ نہ تو تجارت اور خرید و فروخت ہی انہیں ذکراللہ سے غافل کرتی ہے)

شاہ عبدالرحیم کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے بڑے بھائی شاہ ابوالرضا محمد کا بڑا حصہ ہے۔ حیاتِ ولی میں لکھا ہے "ابتدا میں شاہ عبدالرحیم کی اتالیقی آپ ہی کے سپرد تھی۔ اگرچہ شاہ عبدالرحیم کی تعلیم پر دیگر ماہرینِ فن بھی چار سال کی عمر میں مقرر تھے۔۔۔ لیکن پوری پوری خدمتِ تربیت شیخ ابوالرضا محمد ہی کے ہاتھ میں تھی۔۔۔۔" "شوارق المعرفہ" میں ہے کہ "شیخ ابوالرضا محمد متعدد علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے اور اسے فطرت کی بخشش و عنایت سمجھنا چاہیئے کہ آپ کا ذہن و حافظہ اس بلا کا تھا کہ ایک ہی نشست میں مختلف علوم تحصیل کرتے تھے۔" ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے فرزند رشید جناب

خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کمالات باطنی حاصل کئے۔

جیساکہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، شاہ عبدالرحیم اور شاہ (شیخ) ابوالرضا محمد کے والد بزرگوار شیخ وجیہ الدین عالمگیر کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن ان کے دونوں صاحبزادے شاہی دربار سے بے تعلق رہے۔ اور درس و تدریس ہی کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ شیخ ابوالرضا محمد کے متعلق "حیات ولی" میں لکھا ہے۔ اوّل اوّل اگرچہ آپ بصوابدید والد بزرگوار اس زمانے کے امراء سے ملتے جلتے تھے، اور شاہی دربار سے ایک معزز و ممتاز عہدہ بھی آپ کے لئے نامزد ہو گیا تھا۔ لیکن دفعتہً آپ کی فطری استعداد ظہور پذیر ہوئی اور آپ نے عزلت نشینی، تجرید تام، توکل کلی، ہر حال میں سنت نبوی پر عمل کرنا اختیار کیا۔ اور یک لخت ابنائے دنیا حتیٰ کہ عزیز و اقارب سے بھی ملنا ترک کر دیا۔

اوّل اوّل آپ طلبا کو ہر قسم کے علوم و فنون کا درس دیتے تھے۔ اور مختلف علوم کے شائقین جوق در جوق حاضر ہوتے تھے لیکن آخر میں بجز تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف کے اور کسی علم کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔۔ ہر درجے اور مرتبے کے آدمی جن میں طالب علم، علماء، فضلاء، صوفیہ، رئیس شہزادے وغیرہ ہوتے تھے، سب آ آکر جمع ہو جاتے تھے ... ان کا ایک مشہور قول ہے ہمارے عرفائے زمانہ کو ذاتی تجلی میسر نہیں ہے، ورنہ اپنے، اپنی اولاد و اقارب کے حصول اغراض کے لئے سلاطین کے محتاج نہ ہوتے۔

شاہ ابوالرضا محمد کی طرح شاہ عبدالرحیم بھی دربار شاہی سے بے تعلق رہتے۔ ان کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جب وہ طالب علم تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی تو ان کے ایک دوست نے انہیں اس کام میں شریک ہونے پر آمادہ کیا، لیکن شاہ عبدالرحیم صاحب نے انکار کر دیا۔ جب اس انکار کی خبر شاہ صاحب کی بیوہ والدہ کو ہوئی تو وہ برہم ہوئیں اور اصرار کر کے حکماً نوکری قبول کرنے پر مجبور کیا چنانچہ شاہ صاحب تدوین فتاویٰ عالمگیری سے متعلق ہو گئے، مگر جب یہ خبر ان کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو وہ ناخوش ہوئے اور ترک ملازمت پر زور دیا۔ شاہ صاحب نے والدہ کے حکم کا عذر پیش کیا، لیکن آپ کے مرشد برابر مُصر رہے۔ آخر شاہ صاحب نے خلیفہ ابوالقاسم صاحب سے عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ نوکری چھوٹ

جائے ، ورنہ یوں چھوڑوں گا تو والدہ ناراض ہوں گی چنانچہ ترک ملازمت کے لئے دعا کرائی گئی - اور وہ قبول ہوئی بعد میں عالمگیر نے زمین دینی چاہی لیکن شاہ صاحب کے الفاظ میں "میں نے قبول نہیں کیا اور شکر ادا کیا"[1]

شاہ عبدالرحیم کا خاندانی پیشہ طبابت تھا- اس بارے میں شاہ عبدالعزیز کا یہ قول ان کے ملفوظات میں ہے "حکمت ہم درخاندان ما معمول بود- چنانچہ جد بزرگوار وعم فقیر دوامی کردند والد ما جد بندہ موقوف ساختہ" صفحہ ۲۳

یہ خاندان عربی النسل تھا- شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالرحیم کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ کی جانب سے حضرت امام موسیٰ کاظم تک تحقیقی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خاندان نے سرزمین عرب کو کیسے چھوڑا، لیکن شاہ ولی اللہ نے جو شجرہ نسب بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد پانچویں پشت میں افراد خاندان کے ناموں میں عجمیت آگئی تھی - اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے، اور رہتک میں آباد ہوئے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، شیخ شمس الدین مفتی تھے -

شاہ عبدالرحیم کی ساٹھ سال کی عمر تک کوئی اولاد نہ تھی ایک دفعہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کو گئے، آپ پر منکشف ہوا کہ آپ کے ہاں اولاد ہو گی - اس پر شاہ عبدالرحیم نے ایک بزرگ شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد فرمایا- جس سے شاہ ولی اور دو صاحبزادے اور ہوئے شادی کے بعد شاہ عبدالرحیم سترہ اٹھارہ سال تک زندہ رہے -

(اس سلسلے کا دوسرا مضمون جس میں اس عہد کے سیاسی و معاشی حالات کا جائزہ ہوگا اگلے شمارے میں شائع ہوگا-)

---

[1] ماخوذ از تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی